مادّہ پرستانہ سائنس کی گواہی

تعلیماتِ قرآن کی صداقت پر

مرتبہ : آرتھر کومو - مترجم : عبد الهادی احمد (ادارۂ معارفِ اسلامی)

(۲)

آسٹریلیا میں ہمارے طریقِ تعلیم کو سرکاری طور پر لادینیت کے اصول پر استوار کیا گیا ہے۔ اسے ہر نوع کی مذہبی عصبیت سے آزاد (SECULAR) قرار دیا گیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کنڈر گارٹن سے یونیورسٹی تک پورا نظامِ تعلیم ایک خدا دشمن اور شیطانی مذہب — "نظریۂ ارتقاء" سے لبریز ہے۔

اگر آپ ثانوی جماعت کے کسی طالب علم کو خدا کی شان میں کفر بکنے سے منع کریں (مجھے اس کا بارہا تجربہ ہو چکا ہے) تو وہ آپ کو ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہے گا کہ خدا کہیں موجود نہیں ہے۔ اگر اس سے سوال کیا جائے کہ اس کے خیال میں زندگی، زمین اور کائنات کی موجودگی کا کیا جواز ہے، تو وہ آپ کو یقین دلانے کی کوشش کرے گا کہ اسے سائنس میں جو کچھ پڑھایا گیا ہے وہی درست ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر شے آپ سے آپ وجود میں آگئی۔ ابتدائے آفرینش کے بارے میں کوئی ایسا نظریہ قبول نہیں کیا جا سکتا جس سے قدرتِ الٰہی کا وجوب ہوتا ہو۔ اس کے بجائے نظامِ کائنات کو حرکت و زمان کے تعامل اور اتفاق کی کارستانی بتایا جاتا ہے۔ اس تعلیم کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ طلبہ اپنے آپ کو بنی نوعِ انسان میں شمار کرنے کے بجائے محض ذی عقل حیوان سمجھنے لگتے ہیں۔

انہیں کسی اخلاقی قدر کا پاس نہیں رہتا، نہ وہ کسی کے حقوق ادا کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ اسی طرح نہ برائی سے پرہیز کرتے ہیں اور نہ کسی پرستش کرنے والی ان دیکھی ذات کا ان کے دل میں کچھ خوف باقی رہتا ہے۔

نظریہ ارتقاء کی تمام تر تدریس یقین کو تشکیک میں بدلنے کے لیے ہے۔ ہر نیا اصول پہلے سے زیادہ الجھنیں اور بے یقینی لے کر آتا ہے۔ وضاحت کا ہر دعویٰ زیادہ ظالمانہ اور شرمناک ہوتا ہے۔ کم از کم سکولوں کے طلبہ کو تو ارتقاء کی پوری کہانی سے جو حاصل ہوتا ہے، وہ صرف اور صرف خدا کے انکار پر مبنی عقلیت ہے۔

تخلیق پرست[1] یقیناً ڈاکٹر فریڈ ہائل کے خیالات کی تشہیر سے مطمئن ہوں گے جو وہ حیاتِ ارضی کے آغاز کے بارے میں رکھتے ہیں۔ ان کی کتاب "ذہینِ کائنات" (THE INTELLIGENT UNIVERSE) ارتقائی سائنس والوں کے سب سے بڑے مسئلے کا جواب پیش کرتی ہے۔

یہ قطعی ناممکنات میں سے ہے کہ کسی بے جان شے سے کوئی جاندار چیز جنم لے۔ سادہ سالموں کے ایک تصوراتی "شیرے" سے بلاسبب حیاتیاتی خلیات کیسے ابھر سکتے ہیں۔ ڈاکٹر ہائل اس اتفاقی واقعے کو اس مثال کے ہم معنی قرار دیتے ہیں کہ بوئنگ ۷۴۷ کے منتشر ملبے سے ایک طوفانی بگولے کے ذریعے مچھر سے جہاز بن جائے۔ یہ تو حقیقت کے منافی مگر مؤثر مطابقت ہے۔

ہائل کی طرح کچھ دوسرے لوگ بھی ایسے نظریات رکھتے ہیں۔ فرانسس کرک بھی ان میں سے ایک ہیں۔ وہ بڑے وثوق سے کہتے ہیں کہ اس زمین پر خلیے کا ظہور نا ممکن الوقوع قرار دیا جا سکتا ہے۔ وہ اس کے ظہور کے لیے نامعلوم فاصلے پر واقع کہکشاں کی شرط عاید کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ صرف اسی مقام پر یہ غیر ممکن امر ممکن ہوا۔

امریکی پروفیسر جان ٹیلر نے یہ کہہ کر نظریہ استقرار (THE ESTABLISHMENT

---

[1] کائنات کے خالق کو ماننے والے (CREATIONISTS)

کو درہم برہم کر دیا کہ اگرچہ کائنات میں ہمارے سورج کے نظام جیسے ۲۳ بڑے ستارے اور ان کی دنیائیں موجود ہیں۔ لیکن کسی بھی جگہ زندگی کا وجود نہیں ہے۔ لہٰذا زندگی کے عدم امکان کی بنا پر یہ عین ممکن ہے کہ بے جان مادے سے دوبارہ جاندار خلیے جنم لے سکیں۔ ڈاکٹر ہائل کہتے ہیں کہ استقرار کا نظریہ ان کے مفروضہ اصولوں کے لیے جھوٹا سہارا ہے۔ اسی طرح پلٹ ڈاؤن مین (PILTDOWN MAN) پیکنگ مین (PEKING MAN) اور نبرسکا مین (NEBRASKA MAN) کے سامنے کیا گیا تھا۔ مایوس لوگ نظریۂ ارتقار کی حمایت میں سچی گواہی نہیں پاتے، لیکن آفرینش (CREATION) کے امکان کو بھی رد کرتے ہیں۔ ایسے میں ان سے مایوس کن باتوں کی توقع ہی کی جا سکتی ہے۔ وجودِ کائنات کے بارے میں آج سائنس کی سب سے بڑی شہادت اس نظریے کی تکذیب پر مبنی ہے، جس کی رو سے کائنات عظیم تصادم (BIG BANG) کے نتیجے میں وجود میں آئی ہے۔ بے جان سے جاندار اشیاء کے وجود میں آنے کا سائنسی نظریہ بھی محلِ نظر ٹھہرایا جا رہا ہے اور بندر سے انسان تک کا ارتقائی نظریہ بھی اپنی آب و تاب کھو چکا ہے۔ اس صورتِ حال میں ان نظریات کا معقول متبادل صرف یہ نظریہ ٹھہر سکتا ہے کہ یہ کائنات کسی منبعِ دانش خالق کی پیدا کردہ ہے۔

مفروضہ نظریات سے آزادی اگر یہ ممکن ہوتا کہ انسان کو کائنات اور زندگی کے بارے میں پہلے سے قائم کردہ تمام نظریات سے آزاد کر دیا جائے۔ اس کے بعد اس کے سامنے دو ماڈل پیش کیے جاتے۔ ایک ماڈل آفرینش (SPECIAL CREATION) اور دوسرا عقل سے عاری نظریۂ ارتقار کا، تو انسان یقیناً پہلے ماڈل کو پسند کرتا۔ قدرت کے حق میں اور ارتقار کے خلاف نہایت قوی دلائل موجود ہیں، لہٰذا کسی شخص کے ذہن سے ناکام نظریات کی جھوٹی تعلیمات کو کھرچنا چنداں دشوار نہیں ہے۔ کائنات میں موجود لاکھوں خوردبینی چیزوں سے لے کر ایسی اشیاء تک، جنہیں خوردبینوں سے بھی نہیں دیکھا جا سکتا۔ پیچیدہ نظاموں کی ایسی حیران کن دنیائیں ہیں جو انسانی عقل کو عاجز کر کے رکھ دیتی ہیں۔ ایک طرف اگر ہر تصویر چیخ چیخ کر اپنے مصوّر کی موجودگی کا اعلان

کرتی دکھائی دیتی ہے تو دوسری طرف " ارتقاء پرست" اپنے اندھے امکان کے نظریے کے ساتھ ریں ریں کرتے نظر آتے ہیں۔

کائنات کتنی پرانی ہے؟ ہماری زمین اور ہمارے چاند کی عمر کتنی ہے؟ ارتقائی نظریات رکھنے والے سائنس دانوں کے نظریات اس بارے میں مختلف ہیں۔ کائنات کے بارے میں دس سے بیس ارب سال تک اور زمین اور چاند کے متعلق چار سے پانچ ارب سال تک۔ لیکن ان ہی جیسے علم و دانش سے بہرہ مند کچھ سائنسدان ایسے بھی ہیں جو خدا پر یقین رکھتے ہیں اور باقاعدہ دلائل سے ثابت کر رہے ہیں کہ کائناتِ ارض و سما کی عمر دس ہزار برس سے زیادہ نہیں ہے۔

بے یقینی

ایک منکرِ خدا انسان جو ایک زندہ اور محبت کرنے والے خدا کے وجود کو تسلیم نہیں کرتا، کہتا ہے کہ ہماری موجودہ کائنات ایک بہت بڑے حادثے کے نتیجے میں ظہور میں آئی ہے۔ یہ اس وقت ہوا جب توانائی کے ایک بہت بڑے ذخیرے کا ایک چھوٹے سے علاقے میں ارتکاز ہوا۔ اس کے نتیجے میں تمام مادہ وجود میں آیا جسے بعد میں باہر دھکیل دیا گیا۔ بعدازاں اسی مادے سے تمام کہکشائیں، ستارے اور آخرکار ہم انسانوں نے جنم لیا۔

بی بی سی کے ایک حالیہ سائنسی پروگرام " بے تناقض دنیا" میں یہ نقطہ اٹھایا گیا کہ جب توانائی کی بہت بڑی مقدار ایک چھوٹے سے مقام پر مرتکز ہوئی تو اس سے مادی اور ضد مادہ اشیا برابر مقدار میں پیدا ہوگئیں۔ یہ "ضد مادہ" کیا ہے۔ یہ آئینے میں نظر آنے والی شکل کی طرح کا مادے کا عکس ہوتا ہے، لیکن اگر ضد مادہ ذرہ اپنے متماثل مادی ذرے سے ٹکرا جائے تو نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔ اس لیے کہ ریڈی ایشن کے سبب ان کی تمام توانائی (روشنی اور حرارت کی شکل میں) ختم ہو جاتی ہے۔ اس بنیاد پر کائنات کے عظیم اتفاقی حادثے کے نظریے کا بودا پن خود بخود آشکارا ہو جاتا ہے۔

نظریہ ارتقا کا ایک ناقابلِ حل مسئلہ منقطع رابطے کی دوہری مشکل ہے۔ زمین کی تہوں سے برآمد ہونے والے آثار پر انحصار نظریے کو تقویت پہنچانے کے بجائے کمزور

کرتا ہے۔ تغیرات کے عمل (جیسے مچھلی سے جل مکھلیے تک) کا تقاضا تو یہ ہے کہ نظامِ تنفس، تناسل اور نقل و حمل کے نظاموں میں بے پناہ تبدیلیاں ہوں۔ اس کے برعکس ناقابلِ یقین تبدیلیاں بتدریج ہونے کے بجائے یا تو دفعتہً ہو جاتی ہیں یا غیر ضروری اور معمولی تبدیلی کے علاوہ چیزوں کی ماہیت تبدیل نہیں ہوتی۔ ارتقاء کے نظریے کی رو سے یہ کسی طور باقی نہیں رہنی چاہئیں۔ آخر پھیپھڑوں کے جوڑے کا نصف یا ٹانگوں کی محض ایک سمت کسی مخلوق کو کیا کام دے سکتی ہے؟

ناممکن امکانات سادہ اور تنہا خلیے کو لیجیے، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ خود بخود وجود میں آگیا اور تاریخِ کائنات کے آغاز میں چند کیمیاوی مرکبات کے شیرہ نما آمیزے نے بالائے بنفشی روشنی میں غسل کیا۔ جس کے نتیجے میں ایک پیچیدہ کیمیاوی مواد ایک سادہ زندگی رکھنے والے انسان کے قالب میں ڈھل گیا۔ اگرچہ اسے بھی جزوی طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔

سر فرانسس کرک جنھوں نے ڈی این اے خلیے کی دریافت میں حصہ لیا اور نوبل پرائز حاصل کیا، ارتقاء کے نظریے کے پُرجوش حامی ہیں۔ اُن کا اصرار ہے کہ:

"زندگی کی نمو اس دُنیا پر کبھی نہیں ہوئی۔ یہ قطعی طور پر بیرونی فضائے بسیط سے آئی ہے"۔

مشہور برطانوی ماہرِ فلکیات سر فریڈ ہائل نے زندگی کے خود بخود عدم سے وجود میں آنے کے نظریات کو مسترد کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس کا امکان اتنا ہی ہے جتنا کسی غیر جانب دار پانسے کے بغیر ہی مسلسل پانچ ملین چھکے پھینکنا، بالفاظِ دیگر قطعی ناممکن ہے، ہائل کہتے ہیں:

"زندگی ہمارے ہاں بیرونی فضا سے ہی آسکتی ہے"۔

شاید آپ نے سائنس دانوں کی ٹسٹ ٹیوب میں جامد کیمیاوی مرکبات کے ملاپ سے زندہ خلیے پیدا کرنے کی کہانیاں سُنی ہوں گی۔ ذرا ایسی کہانیوں کی تفصیل میں جائیں۔ کبھی ایسا ممکن نہیں ہوسکا کہ کائنات پر حیاتیاتی آغاز کے ارتقائی اُصول پر، لیبارٹری میں کسی زندگی نے

جنم لیا ہو۔ ارتقاء کے حامی نظریات کی خوش رنگ بھول بھلیوں میں اُلجھے ہوئے اور گم کردہ راہ ہیں۔ جب آپ خدا کو نکال باہر کریں گے تو آپ کو لازماً "اندھے امکان" اور "مددگار تغیرات" جیسے نظریات پر مذہبی انداز کا عقیدہ رکھنا پڑے گا۔

۱۹۷۳ء میں برطانیہ کے ثانوی سکولوں کے نصاب میں رابرٹ آرڈرے کی کتاب THE TERRITORIAL IMPERATIVE شامل تھی۔ اس کتاب میں آرڈرے نے ایک چھوٹے سے جاندار کی مثال پیش کی ہے۔ جیسے کسی "ارتقائی امکان" نے خصوصی معطر غدود "عطا" کر دیئے ہیں۔ اس مخلوق کے غدود میں A... کے خلیوں کے بارے میں یہ تفاصیل دی گئی ہیں:

ا۔ غدود کا سائز، شکل اور مقام وقوع۔

ب۔ پٹھے اور دوسرا خلیاتی ڈھانچہ۔

ج۔ غدود کو خون کی ترسیل۔

د۔ دوسرے غدود سے اندرونی رابطہ۔

ر۔ جاندار کے دماغ سے منسلک نسیں۔

س۔ دماغ کی مخصوص وائرنگ۔

تم جو بارھویں جماعت کے طالب علم ہو، اس کی صراحت کے لیے تمہیں ڈی این اے معلومات کے کتنے ٹکڑے درکار ہوں گے؟ ایک ملین ـــ دو ملین؟..... دس ملین؟ ان مکمل معلومات کے بغیر محض چند چھوٹے ریزوں سے اس مخلوق کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ ایک حصے کو چھوڑ دو گے تو باقی کیا رہ جائے گا ـــ نظریۂ ارتقاء کے لیے نامکمل گواہی یا قدرتِ الٰہی کی واضح شہادت؟

ارتقاء غیر سائنسی ہے

تب ارتقاء کا کیا مطلب نکلا؟ ہمیں معلوم ہے کہ ہم نسل کشی کے مخصوص طریقوں سے کتے، بلی، کینری اور گائے وغیرہ کی جسامت، شکل اور رنگ تبدیل کر سکتے ہیں، لیکن ہم ان کو ایک سے دوسری نسل میں تبدیل نہیں کر سکتے اور نہ ہی نظریۂ ارتقاء کی کوئی مفروضہ تصویر ہی ایسا کر سکتی ہے۔ ارتقاء کو سائنسی ہونے

کا دعویٰ تو کبھی نہیں ہوا۔ نہ تو اس کی نمائش کی جا سکتی ہے اور نہ اسے دہرایا جا سکتا ہے۔

جن لوگوں کے لیے ایک عاقل اور خود مختار خالق کا تصور ناپسندیدہ نہ ہو، بلکہ اس سے ان کے جذبوں کو مہمیز لگتی اور سکون حاصل ہوتا ہو، ان کے لیے آغازِ حیات کے سوال کا بہترین جواب کتاب پیدائش کے باب اوّل میں موجود ہے جو یوں شروع ہوتا ہے۔

"ابتدائے آفرینش میں خدا نے پیدا کیا...."[1]

اساتذہ طلبہ کو ارتقا کا جھوٹا مذہب پڑھا رہے ہیں اور اس طرح ان میں ایک خدا دشمن رجحان اور طریقِ زندگی کی پرورش کرتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ اپنے بچوں کو خلاقِ عالم کی تخلیقی نیرنگیوں کی تعلیم سے بہرہ ور کریں۔ انہیں بتائیں کہ خدا موجود ہے اور سب سے محبت کرتا ہے۔ یہ بھی بتائیں کہ خدا کے انکار اور اس کے حکم کو نہ ماننے کے نتائج خطرناک ہوں گے۔

(بشکریہ "دی یونیورسل میسج")

---

[1] قرآنِ پاک میں تخلیقِ کائنات اور حیاتِ انسانی کے بارے میں کہیں زیادہ وضاحت اور صراحت موجود ہے۔

اطلاع عام

ماہنامہ ترجمان القرآن، بتول، نور، الحسنات، ہفت روزہ ایشیا اور آئین خریدنے کے لیے ہمارے ہاں تشریف لائیں یا ٹیلیفون نمبر ۴۲۵۰۔۷ پر رابطہ قائم کریں۔

نوٹ: مذکورہ بالا رسائل گھر پر پہنچانے کا خاطر خواہ انتظام ہے۔

چودھری محمد ایوب۔ ناظم تحریک اسلامی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ